© rasailojaraid.com

بحث و نظر

اسلام کا تصوّرِ عبادت

ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی

جب ہم عبادت کے زاویۂ نگاہ سے مسلمانوں کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ ہم کو تین نمایاں طبقات میں منقسم دکھائی دیتے ہیں، ایک طبقۂ عوام، دوسرا طبقۂ علماء اور تیسرا طبقۂ مشائخ۔ طبقۂ عوام میں ناخواندہ اور خواندہ دونوں ہی طرح کے مذہبی اور نیم مذہبی مسلمان شامل ہیں۔ ان کا تصوّرِ عبادت نہایت ہی محدود، مبہم اور ناقص ہے یا اور چند عبادات مثلاً نماز، روزہ اور حج تک محدود ہے۔ زکوٰۃ اس میں شامل نہیں ہے۔ وہ زبان سے اس کے جزوِ عبادت ہونے کے منکر تو نہیں لیکن اس باب میں ان کا جو طرزِ عمل ہے وہ صاف بتاتا ہے کہ وہ فی الواقع اسے جزوِ عبادت نہیں سمجھتے۔ عبادات ثلاثہ یعنی نماز، روزہ اور حج کے ساتھ اگر آپ چند دوسرے اعمال مثلاً قربانی، دعا اور تلاوتِ قرآن مجید (ناظرہ) کو بھی شامل کرلیں تو ان کے تصورِ عبادت کی تصویر مکمل ہو جاتی ہے۔

عام مسلمان عبادات کے صرف ظاہری اشکال و احکام ہی کی پیروی کو اصل عبادت سمجھتے ہیں۔ وہ فی الواقع عبادات کی حقیقت اور ان کی غرض و غایت سے بالکل بے خبر ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ عبادات کا ایک انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے کیا ربط و تعلق ہے؟ یہی وجہ ہے کہ وہ (مستثنیات سے قطع نظر) عبادات مفروضہ کی بجاآوری کے باوجود اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مختلف النوع اعمال و اشغال میں خدا کی اطاعت و فرماں برداری کو ضروری خیال نہیں کرتے اور شب و روز ایسے افعال کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں جو سراسر خدا کے حکم و ہدایت کے منافی ہوتے ہیں۔

جہاں تک طبقۂ علماء کا تعلق ہے تو ایک محدود حلقہ کو چھوڑ کر، ان کا تصوّرِ عبادت بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام مسلمانوں کے تصور عبادت سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ان کے نزدیک بھی ظاہر جسم کی درستگی، چند عبادات بالخصوص، نماز اور روزہ کی ادائیگی اور چند معروف امور کی انجام دہی کا نام عبادت ہے۔ طبقۂ مشائخ کا تصور عبادت یہ ہے کہ آدمی دنیا کے ہنگاموں سے الگ ہو کر کسی گوشۂ مسجد یا خانۂ خلوت میں بیٹھ کر ذکر و عبادت الٰہی میں اپنا وقت گزار دے۔ یہ خانقاہی تصور عبادت کہلاتا ہے۔

آئیے دیکھیں کہ اسلام کا صحیح تصور عبادت کیا ہے تاکہ ہم میں سے ہر شخص خواہ وہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو، اس کی روشنی میں اپنے تصور عبادت اور اس کے عملی اشکال و مظاہر کا جائزہ لے کر اس میں موجود نقائص کی اصلاح کر سکے۔

عبادت کے لغوی معنی

عبادت کے عام لغوی معنی غایت درجہ عجز و تذلل کے ہیں[۱]۔ اسی لئے عربی زبان میں اس راستے کو جو آمد و رفت کی کثرت سے پامال ہو گیا ہو طریق معبّد کہا جاتا ہے[۲]۔ اس لفظ کے لغوی معنی کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغب لکھتے ہیں:

"عبودیت کے معنی اظہار فروتنی کے ہیں۔ اسی لئے اس کی مستحق صرف وہ ذات ہے جس کے افضال و عنایات بے پایاں ہیں۔ اسی لئے ارشاد ہے: الا تعبدوا الا ایاہ، صرف اسی کی عبادت کرو[۳]"

قاضی شوکانی اپنی تفسیر میں اس لفظ کی شرعی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفی الشرع عبارۃ عما یجمع کمال المحبۃ و الخضوع والخوف[۴]	شرع میں عبادت اس کو کہتے ہیں جو انتہائی محبت، فروتنی اور خوف کی جامع ہو۔

[۱] کشاف (زمخشری) ج ا صـ۱۶۰ [۲] روائع البیان تفسیر آیات الاحکام من القرآن ج ا صـ۲۷ (محمد علی الصابونی) طبع دمشق [۳] مفردات امام راغب [۴] فتح القدیر جلد ا صـ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مخدوم علی مہائمی اپنی معروف تفسیر تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان لبعض مایشیر الی اعجاز القرآن میں لکھتے ہیں:

العبادۃ تذلل للغیر عن اختیار لنھایۃ تعظیمہ۔ — عبادت اپنے اختیار سے دوسرے کی غایت درجہ تعظیم کی غرض سے اس کے لئے اظہار فروتنی کا نام ہے۔

عبادت کے ایک دوسرے معنی اطاعت کے بھی ہیں بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کے اصل معنی اطاعت و فرماں برداری ہی کے ہیں، عجز و تذلل اور پرستش اطاعت و انقیاد کے لازمی نتائج ہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ آدمی کسی کا مطیع و فرماں بردار ہو اور اس کے افعال اور حرکات و سکنات سے عجز و فروتنی کا اظہار نہ ہو۔ عربی کے دو معروف لغات، قاموس اور لسان العرب میں عبادت کے معنی اطاعت ہی کے لکھے ہیں۔ لسان العرب کے الفاظ ہیں: العبادۃ الطاعۃ۔ ومعنی العبادۃ فی اللغۃ، الطاعۃ مع الخضوع وکل من دان لملك فھو عابد لہ۔ والعابد، الخاضع لربہ المستسلم المنقاد لامرہ۔ عبد الطاغوت، اطاعہ یعنی الشیطان۔

عبادت کے قرآنی معنی

قرآن مجید میں اس لفظ کے مختلف استعمالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حقیقی معنی جیسا کہ لسان العرب میں مذکور ہے، اطاعت و فرماں برداری کے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ آیا ہے:

قُلْ اِنِّیْ نُھِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ — اے نبی، ان لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے ان ہستیوں کی اطاعت و پرستش سے منع کر دیا گیا ہے جنھیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو (میں بھلا یہ کام کیسے کر سکتا ہوں) جب کہ میرے پاس واضح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(مومن: ۶۶) علم و دلائل آچکے ہیں۔ اور مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کر دوں۔

دوسری جگہ آیا ہے:

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (بقرہ: ۱۳۳)

انھوں نے (اولاد یعقوبؑ) کہا کہ ہم تیرے معبود اور تیرے آباد اجداد — ابراہیمؑ اسماعیلؑ اور اسحاق — کے معبود کی اطاعت (پرستش کریں گے جو معبود واحد ہے اور ہم اسی کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔

مذکورہ دونوں آیتوں میں "اُسلِمَ" اور "مُسلِمُون" کے الفاظ دراصل "اعبُدُ" اور "نعبُدُ" کی وضاحت کے لئے آئے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ اسلام کے معنی اطاعت و فرماں برداری کے ہیں، اس لئے عبادت کے معنی بھی اطاعت و فرماں برداری کے ہوئے جس میں پرستش کا مفہوم بھی شامل ہے۔

ایک اور جگہ واضح طور پر اطاعت ہی کے معنی میں آیا ہے:

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (مومنون: ۴۷)

انھوں نے کہا، کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ ان کی قوم ہماری مطیع و فرماں بردار ہے۔

قرآن مجید میں بعض مقامات پر عبادت کے بالمقابل استکبار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مثلاً ایک جگہ آیا ہے: وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا (نساء: ۱۷۲) "اور جو شخص ہماری اطاعت و بندگی کو اپنے لئے عار سمجھتا ہے اور استکبار کرتا ہے تو (ایک دن) وہ عنقریب سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔" استکبار کے لفظی معنی کو خود قرآن مجید کی متعدد آیات میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے مثلاً ایک جگہ آیا ہے:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یَسْتَکْبِرُوْنَ (نحل۔ ۴۹) زمین اور آسمانوں کی تمام ذی حیات مخلوقات اور فرشتے سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں اور وہ استکبار نہیں کرتے۔" دوسری جگہ آیا ہے خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ (سجدہ۔ ۱۵) "وہ (اہل ایمان) سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔"

ان آیات قرآنی سے معلوم ہوا کہ استکبار کے معنی خدا کے بالمقابل اپنی ہستی کو بڑی چیز سمجھنے اور اس کے سامنے سر اطاعت جھکانے سے اعراض کرنے کے ہیں اس لئے لازماً عبادت کے معنی بھی (خدا کے) بالمقابل اپنی ہستی کو حقیر یا چیز سمجھنے اور اس کے سامنے سر اطاعت خم کر دینے کے ہوئے۔ فی الواقع سر اطاعت جھکانے سے گریز کرنا استکبار اور سر اطاعت جھکا دینے ہی کا نام عبادت ہے۔

قرآن مجید میں عبادت کا لفظ عام اطاعت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً ایک جگہ آیا ہے: یٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ (مریم: ۴۴) "ابا جان، شیطان کی عبادت نہ کیجئے۔" دوسری جگہ آیا ہے: بَلْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ (سبا۔ ۴۱) "بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے۔" ایک اور جگہ آیا ہے: وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا... (زمر۔ ۱۷) "اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا۔"

کون کہہ سکتا ہے کہ ان آیات مذکورہ میں شیطان، جن اور طاغوت کی عبادت کے معنی ان کی پرستش کے ہیں، معروف معنوں میں شیطان، جن اور طاغوت کی عبادت کوئی آدمی بھی نہیں کرتا، اس لئے ماننا ہوگا کہ ان آیات میں عبادت کے معنی اطاعت و بندگی ہی کے ہیں۔

لغات، مفسرین کی تشریحات اور قرآن مجید میں اس کے مختلف استعمالات سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ عبادت کے حقیقی معنی خدا کی اطاعت و بندگی کے ہیں ایسی اطاعت و بندگی جس میں غایت درجہ عجز و فروتنی اور خضوع و تذلل پایا جائے۔

عبادت کا مفہوم

عبادت کے لغوی معنی متعین ہو جانے کے بعد اس کا مفہوم خود بخود متعین ہو جاتا ہے یعنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا کی اطاعت و بندگی کرنا۔ لیکن اطاعت و بندگی کا مفہوم صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ آدمی شب و روز کے چند معیّن اوقات میں خدا کے سامنے سرنگوں ہو جائے اور چند مقررہ اعمال و مراسم عبادت بجالائے بلکہ اس کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع، جامع اور ہمہ گیر ہے۔ جب ایک آدمی خدا کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہے تو وہ اپنے اس عمل کے ذریعہ جہاں استکبار کے بجائے عجز و تذلل کا اظہار کرتا ہے وہاں یہ بھی اقرار و اعلان کرتا ہے کہ خدا ہی اس کا حاکم و مالک ہے اور وہ اس کا مطیع و فرماں بردار ہے۔ اس واضح اقرار و اعلان کے بعد بھی اگر وہ معاملات زندگی میں خدا کے احکام کی تعمیل سے روگردانی کرتا ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس نے فی الواقع دل سے خدا کی حاکمیت اور فرماں روائی کو تسلیم ہی نہیں کیا ہے۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی نوکر صبح و شام اپنے مالک کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہے اور اس کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا رہے لیکن مالک کے کسی حکم و ہدایت کو بجا نہ لائے، بلکہ دن بھر ایسے کام کرے جو مالک کی مرضی اور منشا کے بالکل خلاف ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا مالک اس کی اس ظاہری اطاعت اور زبانی مدح سرائی سے اس کو ایک سچا، مخلص اور اطاعت شعار نوکر کبھی تسلیم نہ کرے گا، بلکہ اس کے برعکس اس کو منافق اور پرلے درجے کا عیار قرار دے گا، اور اس کی قصیدہ خوانی کو یکسر تملق اور مطلب براری پر محمول کرے گا۔ اور اگر وہ برابر اسی منافقانہ طرز عمل کا مظاہرہ کرتا رہے گا تو مالک ایک دن اس کو جھوٹا، مکار اور گندم نما جو فروش قرار دے کر نوکری سے نکال باہر کرے گا۔

فی الواقع حقیقی عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے اعضاء و جوارح سے اظہار اطاعت کے ساتھ ہی جس کا دوسرا نام پرستش ہے، اپنے تمام اعمال زندگی سے بھی حتی الوسع خدا کی اطاعت کا ثبوت بہم پہنچائے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچے۔ اس حقیقت کا اظہار قرآن مجید میں ایک دو جگہ نہیں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے، مثلاً ایک جگہ آیا ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ — حسب استطاعت خدا سے ڈرو یعنی

وَاسْمَعُوا وَاَطِيعُوا — اس کی نافرمانی سے بچو اور بات کو سنو

(التغابن ۱۶) اور مانو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری جگہ آیا ہے:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ (نوح: ۳)

یہ کہ اللہ کی اطاعت و بندگی کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔

ایک اور جگہ آیا ہے:

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ (عنکبوت: ۱۶)

اور ابراہیم نے جب اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اللہ کی اطاعت و بندگی کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔

یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ خدا کی اطاعت و بندگی کا مفہوم یہی ہے کہ بندہ اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچے اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کی اطاعت و فرماں برداری کرے۔ کسی بھی شعبۂ زندگی میں خدا کی اطاعت سے انحراف کرنا دراصل شیطان کی اطاعت و اتباع کے مرادف ہے، ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرہ: ۲۰۸)

اے ایمان والو، اسلام (اطاعت و بندگی) میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

عبادت کا وسیع مفہوم

اسلام نے صرف یہی نہیں بتایا کہ عبادت کا مطلب خدا کی اطاعت و بندگی ہے، اور یہ کہ زندگی کے انفرادی اور اجتماعی شعبوں میں حتی المقدور اس کی اطاعت و فرماں برداری کی جائے، بلکہ یہ بھی بتایا کہ اطاعت و بندگی کی مستحق تنہا خدائے وحدہ لاشریک کی ذات ہے، اس کے سوا اس کائنات مادی میں کوئی شے بھی ایسی نہیں ہے جو انسان کی اطاعت و بندگی کی سزاوار ہو حتیٰ کہ کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی اطاعت و بندگی کے لائق نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس واضح حقیقت کے باوجود اگر کوئی شخص خدا کے ساتھ کسی دوسری مخلوق ہستی کو بھی مستحقِ اطاعت اور سزاوارِ بندگی سمجھتا ہے تو پھر خدا کی عبادت کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے ہیں اور اسی کا نام اصطلاحِ قرآن میں شرک ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر عبادت کے ساتھ اخلاصِ دین کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ آیا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (زمر: ۲)

(اے محمد) یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق اتاری ہے پس تم اللہ ہی کی اطاعت وبندگی کرو دین کو اسی کے لئے خالص رکھتے ہوئے۔

دوسری جگہ آیا ہے:-

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اعراف: ۲۹)

ہر عبادت کے وقت اپنے رخ (یعنی توجہ) کو ٹھیک ٹھیک اسی کی طرف) قائم رکھو اور دین کو اسی کیلئے خالص رکھتے ہوئے اسے پکارو۔

ایک اور جگہ آیا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (بینہ: ۵)

اور ان کو بجز اس کے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ یکسو ہو کر اللہ کی اطاعت وبندگی کریں دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔

ان آیات میں عبادت کے ساتھ اخلاصِ دین کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے حقیقی مفہوم کو متعین کرنے کے لئے اخلاص اور دین کے الفاظ کی لغوی تحقیق نہایت ہی ضروری ہے۔

اخلاص کے لفظی معنی کسی چیز کی آمیزش سے دوسری چیز کو چھانٹ کر الگ کر دینے کے ہیں۔ اخلاص کا مادہ خلص ہے۔ خلص الماء من الكدر "پانی کا میل کچیل سے پاک و صاف ہونا" (منجد) اسی سے لفظ خالص بنا ہے جو اردو میں کثیر الاستعمال ہے۔ عربی میں هذا ثوبٌ خالصٌ کے معنی ہیں "یہ صاف رنگ کا کپڑا ہے" یعنی اس میں کسی دوسرے رنگ کی آمیزش نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دین کے معنی لغت میں متعدد ہیں: مذہب، ملت، عادت، جزا، قانون اور اطاعت وغیرہ چنانچہ کہتے ہیں: قومٌ دینٌ "اطاعت گزار لوگ" (منجد) اسی مفہوم میں لسان العرب میں ہے الدین۔ الطاعة۔ دنته ودنت له ای اطعته۔ والدین لله۔ انما هو طاعته والتعبد له۔ فی الحدیث: ارید من قریش کلمة تدین لهم بها العرب، ای تطیعهم وتخضع لهم۔ ثم دانت بعد الرباب، ای ذلت له واطعته۔ یمرقون من الدین ای انهم یخرجون من طاعة الامام المفترض الطاعة۔ المدین، العبد۔ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ای غیر مملوکین۔

قرآن مجید میں یہ لفظ چار معنوں میں استعمال ہوا ہے، مذہب کے معنی میں إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران۔ ۱۹) وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ (نساء: ۱۲۵) جزا کے معنی میں وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ.... (انفطار: ۱۷) قانون کے معنی میں مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (یوسف۔ ۷۶) وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ (نور۔ ۲) اطاعت کے معنی میں: وَلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا (نحل۔ ۵۲) أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ (آل عمران ۸۲)

آپ مذکورہ بالا لغوی اور قرآنی معانی کو پیش نظر رکھ کر اخلاص دین سے متعلق محولہ بالا آیات پر غور کریں تو صاف معلوم ہوگا کہ ان آیات میں دین کے معنی اطاعت ہی کے ہیں لہٰذا اخلاص دین کے معنی ہوئے، اطاعت کو خدا کے لئے خالص کرنا یعنی خدا کی اطاعت کے ساتھ کسی دوسرے کی اطاعت و بندگی نہ کرنا۔ فی الواقع خدا کی اطاعت و بندگی کے ساتھ کسی دوسرے کو خواہ وہ کوئی فرد ہو یا کوئی جماعت یا کوئی اجتماعی ادارہ، حاکم و مطاع تسلیم کرنا اور اس کے ہر حکم کو حکم خدا کی طرح واجب الاذعان سمجھنا اخلاص دین کے بالکل خلاف ہے۔ جو شخص بھی خدا اور غیر خدا اطاعت و بندگی کو ایک ساتھ جمع کرنا چاہتا ہے وہ درحقیقت شرک فی الربوبیت کا ارتکاب کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ خدا کے علاوہ بھی رب یا ارباب کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ اسے اطاعت و بندگی کا بھی مستحق سمجھتا ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (توبہ: ۳۱)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا لیا اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی حالانکہ انھیں بجز اس کے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ الٰہ واحد، اللہ کی اطاعت و بندگی کریں۔ فی الحقیقت اس کے سوا کوئی الٰہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ جو ایک عیسائی تھے جب رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے تو انھوں نے بعض دوسرے سوالات کے علاوہ ایک سوال اسی آیت کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بھی کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول اس آیت میں کہا گیا ہے کہ ہم عیسائی اپنے علماء و مشائخ کو خدا بنا لیتے ہیں، ایسا تو کوئی بھی نہیں کرتا، پھر اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟ آنحضورؐ نے فرمایا کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ جس کو تمہارے علماء و مشائخ حرام کہہ دیتے ہیں تم لوگ اسے حرام تسلیم کر لیتے ہو، اور جس کو یہ حلال کہہ دیتے ہیں اس کو تم بھی حلال مان لیتے ہو؟ انھوں نے کہا، ہاں ہم ایسا تو ضرور کرتے ہیں۔ آنحضورؐ نے فرمایا، بس یہی ان کو رب بنا لینا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسانی زندگی کے لئے تشریع یعنی ضابطۂ عمل بنانے کا اختیار صرف خدائے علیم و خبیر کو حاصل ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا عالم دین اور شیخ طریقت اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ اپنی فکر و رائے اور آزاد مرضی سے حرام و حلال، جائز و ناجائز اور صحیح و غلط کی تعیین و تشریح کرے، اور اگر کوئی عالم دین اس کی جرأت کرتا ہے تو وہ فی الحقیقت خود کو رب قرار دیتا ہے، اور جو لوگ ایسے علماء و مشائخ کا اتباع کرتے ہیں وہ بھی گویا انھیں رب تسلیم کرتے ہیں، اور ایسا کر کے وہ خود کو دائرہ اسلام سے خارج کر لیتے ہیں۔

فی الواقع خدا کی اطاعت کے علاوہ کسی دوسرے کی اطاعت صرف اسی صورت میں جائز ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب خود مطاع حقیقی یعنی خدا نے اس کی اطاعت کا حکم دیا ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (نساء - ۵۹)

اے ایمان والو، اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی، اور ان لوگوں کی بھی جو تم میں سے اولی الامر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان (اولی الامر کی اطاعت میں) باہم کوئی اختلاف و نزاع واقع ہو جائے تو (تصفیہ کے لئے) اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو۔

اس آیت میں خدا نے اپنی اطاعت کے علاوہ مومنوں کو دو مزید اطاعتوں کا حکم دیا ہے، ایک رسول کی اطاعت اور دوسرے اولی الامر کی اطاعت۔ جہاں تک رسول کی اطاعت کا تعلق ہے تو وہ دراصل خدا ہی کی اطاعت کی ایک عملی صورت ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا جملہ خود صراحت کر رہا ہے کہ خدا کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت بھی ہر مسلمان پر واجب ہے۔ رہی آخر الذکر اطاعت یعنی اطاعت اولی الامر تو یہ اطاعت رسول کی طرح غیر مشروط طور پر واجب نہیں ہے جیسا کہ آیت مندرجہ صدر کے الفاظ "فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول" سے صاف ظاہر ہے بلکہ یہ اسی وقت تک واجب ہے جب تک کہ اولی الامر خدا و رسول کی اطاعت و پیروی کرتا ہے، خدا و رسول کی اطاعت و اتباع سے منحرف ہو جانے کے بعد اس کی اطاعت کسی مسلمان پر بھی واجب نہ ہوگی یہی بات آنحضورؐ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

السمع والطاعۃ علی المرء — مسلمان پر اپنے اولی الامر[1] کی بات سننا

---

[1] اولی الامر سے مراد صرف عمال حکومت نہیں ہیں، بلکہ اس کے مفہوم میں امت کے وہ تمام ارباب فکر و نظر شامل ہیں جو کسی بھی حیثیت سے مسلمانوں کے دینی، سیاسی، تمدنی، تعلیمی اور معاشرتی معاملات کے ذمہ دار ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

المسلم فی ما احب وکرہ مالم یؤمر بمعصیۃ فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ (بخاری و مسلم)

اور اس کو ماننا لازم ہے خواہ وہ بات اس کو پسند ہو یا ناپسند، بشرطیکہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے، اور جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر نہ اس پر سننا ہی واجب ہے اور نہ ہی ماننا۔

ایک دوسری حدیث ہے

لاطاعۃ فی معصیۃ انما الطاعۃ فی المعروف (بخاری و مسلم)

معصیت میں کوئی اطاعت نہیں اطاعت صرف معروف میں ہے۔

ان احادیث سے بالکل واضح ہو گیا کہ خدا کی اطاعت کے علاوہ کسی دوسرے کی اطاعت صرف معروف میں جائز ہے۔ کیونکہ معروف میں کسی آدمی کی اطاعت دراصل خدا ہی کی اطاعت کے ہم معنی ہے، لیکن منکر میں کسی آدمی کی اطاعت نہ صرف اخلاص دین کے منافی بلکہ خدا کی صریح نافرمانی کے مرادف ہے۔

اخلاص دین کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ جو عمل اطاعت بھی انجام دیا جائے اس سے مقصود محض خدا کی رضا اور خوشنودی ہو۔ اس میں ذرہ برابر بھی ریا اور نمود کا کوئی عنصر شامل نہ ہو، کیونکہ جہاں خدا کی اطاعت کے ساتھ کسی دوسرے کی غیر مشروط اطاعت کرنا مخلصانہ عبادت کے منافی ہے وہاں اعمال اطاعت میں نمود و نمائش بھی غارت گر اخلاص عبادت ہے۔ اسی بات کو آنحضورؐ نے ان بلیغ الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے: انما الاعمال بالنیات (بخاری و مسلم) یعنی اگر کسی کام کے کرنے سے کوئی ذاتی غرض مثلاً حصول شہرت و عزت یا کوئی مادی منفعت پیش نظر ہے تو خواہ وہ کام بذات خود کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو عبادت کے زمرے میں شمار نہ ہو گا۔ لیکن اگر اس کام کے کرنے سے خدا کی رضامندی اور اس کا تقرب مطلوب ہے تو خواہ وہ کام بادی النظر میں بالکل حقیر دکھائی دیتا ہو بلکہ سراسر دنیا کا کام معلوم ہوتا ہو اس پر عبادت کا اطلاق ضرور ہو گا اور روز آخرت خدا کی نظر میں مستحق اجر و ثواب ہو گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایات میں آتا ہے کہ حضرت سعدؓ نے خدمت نبوی میں آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، میں اپنی کل دولت راہ خدا میں خرچ کر دینا چاہتا ہوں" آپ نے فرمایا "اے سعدؓ جو کچھ راہ خدا میں صرف اس کی خوشنودی کی طلب میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو ضرور ملے گا یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں اس غرض سے ڈالو گے اس کا بھی تم کو ثواب ملے گا۔[1]

خدا کی خالص اطاعت و بندگی کے ساتھ شکر نعمت بھی ضروری ہے[2] جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (بقرہ ۵: ۱۷۲)	اے ایمان والو، جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو بخشی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم حقیقت میں اسی کی اطاعت و بندگی کرنے والے ہو۔

اس دنیا میں انسان کو جو نعمتیں بھی حاصل ہیں اور جن کا شمار مشکل ہے (وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم)) وہ سب منعم حقیقی یعنی خدائے عظیم و رحیم کی عطا کردہ ہیں۔ جو شخص بھی خدا پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے آگے سر بسجود ہوتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ خدا ہی کو اپنا منعم حقیقی سمجھے، اسی ایک ذات کو ہر حمد و ستائش کا مستحق جانے اور اس کی بخشی ہوئی نعمتوں کو اسی کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ فی الواقع خدا کے علاوہ کسی دوسرے کو منعم و معطی سمجھنا اس کو شریک ربوبیت کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے:-

فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا	پھر جب وہ حاملہ ہو گئی تو دونوں (زن و شوہر) نے مل کر اپنے رب حقیقی

---

[1] ادب المفرد امام بخاری (باب یوجر فی کل شئی) [2] شکر کے مفہوم میں یہی تین چیزیں داخل ہیں یعنی اعتراف نعمت، منعم کی تعریف و تعظیم اور نعمت کو منعم کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔

© rasailojaraid.com

لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ۝

(اعراف ۱۸۹ تا ۱۹۲)

اللہ سے دعا کی کہ اگر تو نے ہم کو ایک نیک طینت اور تندرست بچہ دیا تو ہم تیرے شکر گزار رہوں گے۔ مگر جب اللہ نے ان کو ایک صحیح الاعضاء اور نیک سرشت بچہ دے دیا تو وہ اس کی اس نعمت میں دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرانے لگے۔ اللہ کی ذات بہت بلند و بالا ہے ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی بھی چیز کے خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، جو نہ تو ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہی آپ اپنی مدد پر قادر ہیں۔

اخلاص اور شکر کی طرح توکل بھی عبادت کے وسیع مفہوم میں داخل ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے:۔

وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

(ہود: ۱۲۳)

اور سارے معاملات اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں، پس اے نبی تم اللہ کی اطاعت و بندگی کئے جاؤ، اور اسی پر پورا بھروسہ رکھو، جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو تیرا رب اس سے بے خبر نہیں ہے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ انسان کے سارے معاملات کا سررشتہ خدا ہی کے ہاتھ میں ہے اس لئے جو شخص خدا کے آستان پر جھک گیا اس کو ہر حال میں خدا ہی کی ذات پر اعتماد کرنا چاہیئے، اور یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ ہر نفع و نقصان کی مالک تنہا خدا ہی کی ذات واجب الوجود ہے۔ وہ اگر کسی کو نفع پہنچانا چاہے ہے تو ساری دنیا مل کر بھی اس کو نقصان نہیں پہنچا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتی، اور اگر وہ کسی کو اس کے افعال بد کے نتیجے میں مبتلائے رنج و اذیت کردے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کے کچھ کام نہیں آسکتی ہے۔ اسی بات کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ
فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا
مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَإِنْ يَّمْسَسْكَ
اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ
لَهٗ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ
فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ
بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ
وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

(یونس : ۱۰۶، ۱۰۷)

تم اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکارو جو تمہیں نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان، اگر تو ایسا کرے گا تو تیرا شمار ظالموں میں ہوگا۔ اگر اللہ تم کو (تمہارے افعال بد کے نتیجے میں) کسی دکھ میں مبتلا کردے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس دکھ کو زائل کرسکے۔ اور اگر وہ تمہارے ساتھ کسی خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو پھیر دینے والا بھی کوئی نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے، اور وہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

جب حقیقت نفس الامر یہ ہے تو پھر خدا کے سوا کون ذات ہوسکتی ہے جس پر ایک انسان کامل اعتماد و توکل کرسکے؟ جو شخص خدا کی عبادت کرتا ہے لیکن معاملات زندگی میں اس کی ذات پر کامل بھروسہ نہیں کرتا، بلکہ مادی اسباب و وسائل اور اپنی ہی جیسی مخلوق و فانی ہستیوں پر تکیہ کرتا ہے تو ایسے شخص کی عبادت بے معنی و بے مقصد ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی مادی اسباب و وسائل سے صرف نظر کرکے صرف خدا پر توکل کئے بیٹھا رہے۔ توکل کا یہ مفہوم درست نہیں، توکل کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ انسان اس جہان اسباب میں مادی اسباب و وسائل کو اختیار کرے لیکن ان پر بھروسہ نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرے یعنی جدوجہد کے نتیجے کو ان اسباب و وسائل کے تابع نہ سمجھے، بلکہ اس قادرِ مطلق خدا پر بھروسہ کرے جو تنہا نتائجِ افعال پر قادر ہے، اور ساتھ ہی اسبابِ مادّی کا خالق بھی۔ قرآن مجید نے اس اہم حقیقت کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے:

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (آل عمران: ۱۵۹، ۱۶۰)

پس جب تم (باہم صلاح و مشورہ کے بعد) کسی بات کا پختہ ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہی لوگ محبوب ہیں جو اس پر بھروسا کرتے ہیں۔ اگر اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں ہوسکتا، اور اگر وہ تمہیں بے مدد چھوڑ دے تو پھر اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرسکتا ہے۔ مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔

بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسباب، نتائجِ افعال پر فیصلہ کن اثر رکھتے ہیں، لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ ایک عام تجربہ و مشاہدہ ہے کہ بسا اوقات تمام ممکنہ مادی اسباب و وسائل کی فراہمی کے باوجود نتائجِ محنت خلافِ توقع نکلتے ہیں۔ یہ اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ نتائج، اسبابِ مادی کے تابع نہیں، بلکہ اس مافوق الاسباب ہستی مطلق کے تابع ہیں جس کو مذہب کی زبان میں اللہ کہا جاتا ہے۔ اس واضح حقیقت پر اس ہستی مطلق نے اسباب کے دبیز و رنگین حجابات صرف اس لیے ڈال دیئے ہیں تاکہ انسان کی فکر و نظر اور اس کے جذبۂ جستجو کا امتحان ہوسکے، اور دیکھا جاسکے کہ کون اسباب کا بندہ بنتا ہے اور کون اس معبودِ حقیقی کا جو اسباب کے پس پردہ عالم کون و مکان پر حاکم و متصرف ہے۔

اسلامی عبادات کی حقیقت و غایت

خدا کی اطاعت و فرماں برداری کی راہیں یوں تو ایک انسان کو بہت سی رکاوٹیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش آتی ہیں، لیکن سب سے بڑی رکاوٹ خود اس کا نفس اور اس کی متلوّن خواہشات ہیں یہ خواہشات بڑی سرکش اور منہ زور واقع ہوئی ہیں اور ان میں تسخیر و انجذاب کی صلاحیت بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ اگر انسان ہمہ وقت بیدار اور ہوشیار نہ رہے اور ان بے عنان خواہشات کو مغلوب کر کے نہ رکھے تو یہ نہایت ہی آسانی کے ساتھ قلب و دماغ پر اپنا غلبہ و تسلط جمالیتی ہیں، اور اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان خدائے واحد کی اطاعت و بندگی چھوڑ کر خواہشات نفس ہی کی اطاعت و پرستش میں ہمہ تن مصروف ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے:

أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ	کیا کبھی تم نے اس شخص کے بارے میں سوچا ہے جس نے اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا معبود بنالیا۔
(جاثیہ ۲۳)	

شریعت اسلامی میں جو چار عبادتیں فرض کی گئی ہیں تو ان کی سب سے بڑی غرض یہی ہے کہ مومن اپنی خواہشات پر قابو پالے، اور خواہشات کی اتباع کے بجائے خدائے واحد کی اطاعت و فرماں برداری میں لگ جائے اور کسی حال میں بھی اس کے احکام سے رو گردانی نہ کرے۔ قرآن کی اصطلاح میں اسی کا نام تقویٰ ہے۔ قرآن مجید میں جہاں علیحدہ علیحدہ عبادات کا ذکر آیا ہے وہاں اس حقیقت کو نمایاں طور پر بیان کر دیا گیا ہے، مثلاً نماز کے ذکر میں ایک جگہ آیا ہے:

فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ○ (مریم: ۵۹)	پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی، ایسے لوگ بہت جلد اس طرز عمل کے نتائج بد دیکھیں گے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ترک نماز کا لازمی نتیجہ اتباع شہوات ہے، اور اسی سے یہ حقیقت بھی معلوم ہوئی کہ اقامت صلوٰۃ کا ایک بڑا مقصد انسان کو خواہشات نفس کی اتباع و تقلید سے روکنا ہے۔ اسی بات کو ایک دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (عنکبوت: ۴۵)

بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

زکوٰۃ کے ذکر میں آیا ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكّٰى (لیل: ۱۸)

عذاب جہنم سے اس شخص کو دور رکھا جائے گا جو خدا ترس ہے۔ جو اپنا مال محض تزکیۂ (نفس) کی غرض سے (احتیاج مندوں کو) دیتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایتاءِ زکوٰۃ کا مقصد خدا کی رضا اور خوشنودی کے ساتھ ساتھ نفس کا تزکیہ بھی ہے یعنی اس کو بخل و حرص کی گندگی سے پاک و صاف کرنا۔ اسی کو قرآن میں ایک جگہ "شحِ نفس" قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (تغابن-۱۶)

اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا (یعنی بے دریغ راہ خدا میں خرچ کرتا رہا) تو ایسے ہی لوگ (دنیا اور آخرت دونوں میں) فلاح پانے والے ہیں۔

روزہ کے ذکر میں آیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ: ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم لوگوں پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم (اتباع شہوات اور خدا کی نافرمانی سے) بچ سکو۔

حج کے ذکر میں آیا ہے

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ

اللہ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، بلکہ اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

التَّقْوٰی مِنْکُمْ (حج ۳۷) پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

ان تمام مذکورہ بالا آیات سے واضح ہوگیا کہ عبادات یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کی اصل غرض و غایت تقویٰ ہے یعنی خدا کے امر و نہی کی فرماں برداری اور خواہشات نفس کی اطاعت و اتباع سے اجتناب کرنا۔ آخر الذکر دو عبادتیں یعنی روزہ اور حج تو مکمل طور پر خواہشات نفسانی کے غلبہ و قہرمانی کے خلاف اعلان جنگ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن یہ جنگ اسی وقت کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہو سکتی ہے جب مومن اس جنگ کے وسائل و ذرائع یعنی اشکال و اعمال عبادت ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس کے مقصود و مطلوب یعنی تزکیہ نفس پر بھی ہر آن نظر رکھے۔ نماز کے ذکر میں ایک جگہ قرآن مجید میں اس اہم حقیقت کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا گیا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ — فلاح پائی ان ایمان لانے والوں نے
هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ — جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں

(مومنون: ۲)

اس آیت میں انہی مومنوں کو کامیاب و بامراد قرار دیا ہے جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع کی کیفیات پیدا کرتے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ خشوع و خضوع کا تعلق انسان کے قلب سے ہے جو تمام احساسات و جذبات، عواطف و میلانات اور عزائم و ارادوں کا مصدر و منبع ہے۔

غربا و مساکین کی امداد ایک بڑی عبادت ہے

اسلام، عبادت کا جو تصور دیتا ہے اس میں خدا کی کامل اطاعت و بندگی کے ساتھ غربا و مساکین کی امداد و اعانت کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا کے ہر مذہب میں غریبوں اور ناداروں کی امداد اور محتاجوں کی حاجت روائی کو کار خیر قرار دیا گیا ہے، لیکن دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ اس نے غربا و مساکین کی دستگیری کو محض کار خیر ہی نہیں بتایا بلکہ اسے اپنے نظام عبادت کا ایک اہم رکن بھی قرار دیا ہے۔ اس رکن کا نام زکوٰۃ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبادت کے ارکان اربعہ میں روزہ اور حج کا ذکر تو قرآن مجید میں چند ہی مقامات پر آیا ہے لیکن نماز اور زکوٰۃ دو ایسی عبادتیں ہیں جن کا ذکر کہیں مجملاً اور کہیں تفصیل کے ساتھ اس کثرت سے آیا ہے کہ شاید ہی کوئی سورہ ان کے ذکر سے خالی ملے۔ جہاں اقیموا الصلوٰۃ کا ذکر ہے وہاں وآتوا الزکوٰۃ کا جملہ بھی بالعموم موجود ہے۔ یہ التزام خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام کے نظام عبادت میں ان دو عبادتوں کو مرکزی اور نمایاں مقام حاصل ہے حقیقت تو یہ ہے کہ دین قیم انہی دو بنیادی اجزائے عبادت سے مرکب ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے:

وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟	اور ان کو بجز اس کے اور کوئی حکم نہیں
ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ	دیا گیا تھا کہ وہ دین کو اسی کے لئے
حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ	خالص رکھتے ہوئے بالکل یکسو ہو کر اس
وَيُؤْتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَذَٰلِكَ دِينُ	کی اطاعت و بندگی کریں، اور نماز قائم
ٱلْقَيِّمَةِ ۝ (بینہ: ۵)	کریں اور زکوٰۃ دیں، یہی دین قیم ہے۔

احادیث نبوی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی نظر میں دین کے اس دوسرے رکن یعنی غربا و مساکین کی امداد و حاجت روائی کو خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ روز آخرت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرمائے گا:

"اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا مگر تو نے میری عیادت نہ کی، بندہ عرض کرے گا: اے رب میں بھلا تیری عیادت کیونکر کرتا تو تو پروردگار عالم ہے۔ خدا فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی عیادت نہ کی، اگر تو اس کی خبر گیری کو جاتا تو تو اس کو میرے پاس پاتا یا مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا: اے میرے رب میں تجھ کو کیونکر کھلاتا تو تو خود سارے جہاں کا پروردگار ہے۔ خدا فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں (بھوکے) بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھلایا، اگر تو اس کو کھلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تو نے نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا: اے رب میں تجھے کیونکر پانی پلاتا تو تو رب العلمین ہے۔ خدا فرمائے گا: میرے فلاں (پیاسے) بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تو نے نہیں پلایا، اگر تو اسے پلاتا تو اسے میرے پاس پاتا"۔ [1]

یہ ایک عام انسانی فطرت ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں سہل انگاری سے کام لیتا ہے اور کمزوروں کے معاملہ میں تو اکثر چشم پوشی ہی اختیار کر لیتا ہے۔ انسان کی اسی فطرت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے غربا و مساکین اور دیگر حاجت مندوں کے حق کو خود اپنا حق قرار دیا ہے: ﴿وآتوا حقه يوم حصاده﴾ (انعام۔ ۱۴۱) یہ کہہ اس نے دراصل اپنے صاحب ثروت بندوں کو اس امر کی طرف متوجہ کیا ہے کہ وہ ناداروں کے حقوق کی ادائیگی سے کسی حال میں بھی اغماض نہ کریں کہ ان کی حق تلفی خدا کی حق تلفی کے مرادف ہے۔

ایک دوسری حدیث میں غریبوں اور بیواؤں کی امداد و اعانت کو ایک مجاہد اور عابد شب زندہ دار کی سعی و عبادت کے ہم پلہ قرار دیا گیا ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا:

الساعی علی الارملة و المسكين كالمجاهد في سبيل الله وكالذي يصوم النهار ويقوم الليل [2]	مسکین اور بیوہ کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والے کا مرتبہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے۔ اور اس شخص کے برابر ہے جو دن بھر روزہ اور رات بھر نماز میں مشغول رہتا ہو۔

اسلام میں غربا و مساکین کی دست گیری کی اس غیر معمولی اہمیت و فضیلت کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان بالخصوص مذہبی اور دیندار لوگ، اس کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ وہ نماز (بشمول اوراد و وظائف) روزہ اور حج ہی کو اصل عبادات قرار دے کر انہی کی ادائیگی

---

[1] مسلم رواہ ابوہریرہؓ، مزید دیکھیں ادب المفرد امام بخاری (باب عیادۃ المرضیٰ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اپنا وقت، مال اور محنت صرف کرتے ہیں۔ یہ کس قدر حیرت واستعجاب کی بات ہے کہ علما اور مشائخ اپنی تحریروں اور تقریروں میں اوراد و وظائف، دعا اور نفل نمازوں کے برکات و فضائل تو ضرور بیان کرتے ہیں لیکن غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کی امداد و اعانت کے ذکر سے اس طرح صرف نظر کر جاتے ہیں جیسے یہ دین کا کام ہی نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ ہلاکت زدہ بندگان خدا کی حالت زار کی طرف سے علما اور عوام کی اکثریت کے اس شعوری یا غیر شعوری تغافل و سرد مہری کے وجوہ و اسباب کیا ہیں؟

میں سمجھتا ہوں کہ اس کی پہلی وجہ تصورِ عبادت کی خامی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نماز، روزہ اور اوراد و وظائف ہی اصل عبادت ہیں، اور خدا کی رضا اور قرب کے حصول کا سب سے اعلیٰ و ارفع اور معتبر ذریعہ بھی۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ کو جو عبادت کے ارکان اربعہ میں شامل ہے، ایک خالص مالی معاملہ سمجھتے ہیں۔ اس کو واقعی عبادت کا درجہ دینے کے لئے ان کا دل آمادہ نہیں ہوتا کیونکہ اس میں بظاہر کوئی کلمۂ ذکر و عبادت شامل نہیں ہے، لیکن زبان سے وہ اس امر کا اظہار اس وجہ سے نہیں کرتے کہ خدا اور اس کے رسول نے اس "خالص مالی معاملے" کو بھی عبادات اربعہ کا ایک رکن رکین قرار دیا ہے۔ اس تغافل کی تیسری وجہ حب مال ہے۔ انسان فطرتاً مال کی محبت میں نہایت سخت واقع ہوا ہے (اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ۔ عادیات) اسی لئے وہ انفاقِ مال سے جی چراتا ہے اور اس سے بچنے کے لئے طرح طرح کی حیلہ جوئی سے کام لیتا ہے، بالخصوص ان جگہوں میں جہاں انفاق مال سے اسے کوئی مادی نفع یا حصولِ عزّ و جاہ کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ اس کی چوتھی وجہ یہ غلط فہمی ہے کہ انفاق مال صرف امرا اور ارباب دولت و ثروت کا حق ہے اس لئے لازماً جو غنی اور صاحب ثروت نہیں ہے وہ اس مالی عبادت سے بری الذمہ ہے۔ اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔

وجوب انفاق

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح نماز ایک عبادت ہے اور ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے، ٹھیک اسی طرح انفاق مال بھی ایک عبادت ہے اور یہ بھی نماز ہی کی طرح ہر مسلمان پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرض ہے خواہ وہ امیر ہو اور خواہ متوسط الحال اور غریب، البتہ فرق صرف اس قدر ہے کہ امیر پر وہ بصورت زکوٰۃ فرض ہے اور معین مقدار مال کے ساتھ اس کی ادائیگی لازم ہے، اور متوسط الحال اور غریب پر وہ صدقہ کی صورت میں فرض ہے، اور اس کے لیے کسی مقدار مال کی تعیین نہیں کی گئی ہے بلکہ یہ ہر شخص کی حالت کسب اور مرضی پر موقوف ہے کہ وہ کیا اور کتنا خرچ کرے اگر کوئی غریب آدمی دو چار آنے بھی راہ خدا میں خرچ کرتا ہے تو اس کا شمار صدقہ میں ہوگا، اور وہ خدا کی نظر میں زکوٰۃ ادا کرنے والے امیر ہی کی طرح اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

ہم نے ابھی اوپر کی سطروں میں انفاق مال کے وجوب اور نوعیت وجوب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کے دلائل و شواہد قرآن مجید میں کثرت سے موجود ہیں یہاں تفصیلی گفتگو کی گنجائش نہیں، صرف توضیح مدعا کے لیے ہیں سورہ بقرہ کی چند ابتدائی آیات نقل کرتا ہوں، ارشاد ہے:

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝	جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اور جو ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو تم پر نازل کی گئی ہے، اور اس پر بھی جو تم سے پہلے نازل ہو چکی ہے، اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

آیت 'ومما رزقنٰھم ینفقون' میں اہل ایمان کی جس صفت انفاق کا ذکر کیا گیا ہے اگر اس کے مصداق صرف صاحب ثروت مومنین ہیں تو پھر ماننا ہوگا کہ جو مومن مال و زر نہیں رکھتا وہ نہ تو ہدایت یافتہ ہے اور نہ ہی روز آخرت فوز و فلاح سے ہمکنار ہوگا، کیونکہ آیات مذکورہ میں صرف انہی مومنین کو ہدایت اور فلاح کا حامل قرار دیا گیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو نماز پڑھتے ہیں اور اللہ کے بخشے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور اگر آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے، تو پھر تسلیم کرنا ہوگا کہ "وممارزقنٰھم ینفقون" کے مصداق تمام اہل ایمان ہیں، اور جب اس کے مصداق تمام اہل ایمان ٹھہرے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ انفاق مال خواہ وہ بصورت زکوٰۃ ہو اور خواہ بصورت صدقہ ہر مسلمان پر واجب ہے۔

روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ جب صحابہ کرامؓ کو معلوم ہوا کہ صدقہ فرض ہے تو غریب و نادار صحابہ نے خدمت نبوی میں آکر عرض کیا کہ "اے اللہ کے رسول جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ محنت مزدوری کر کے اپنے ہاتھ سے پیدا کرے، خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی صدقہ دے" انھوں نے عرض کیا "جس میں اس کی بھی طاقت نہ ہو" آپ نے فرمایا "وہ کسی فریاد خواہ حاجت مند کی مدد کرے" انھوں نے پھر عرض کیا "اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو" آپ نے فرمایا وہ کوئی نیکی کا کام کرے اور برائی سے بچے یہی اس کا صدقہ ہے[۱]

اس ارشاد رسول کے مطابق غریب صحابہ بازاروں میں جا کر محنت مزدوری کرتے تھے اور اپنی گاڑھی کمائی میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے تھے[۲]

راہبانہ تصور عبادت

تاریخ انسانی کے ہر دور میں ہر مذہب کے غالی اور متقشف لوگوں کا یہ خیال رہا ہے کہ آدمی خدا کی عبادت میں جس قدر ریاضات شاقہ اٹھاتا ہے اسی قدر اس کو خدا کی رضامندی اور اس کے قرب و اتصال کی دولت گراں بہا حاصل ہوتی ہے۔ اسی کے ساتھ ان کا یہ بھی خیال رہا ہے کہ خدا کی خالص اور سچی عبادت کے لئے ناگزیر ہے کہ آدمی انسانی معاشرہ سے قطع تعلق کر کے کسی جنگل یا پہاڑ کے کسی گمنام گوشے میں معتکف ہو جائے، اور اگر کسی سبب سے یہ ممکن نہ ہو تو انسانی آبادی سے ذرا پرے ہٹ کر کوئی خانۂ عزلت تلاش کرے، اور

---

[۱] بخاری کتاب الزکوٰۃ [۲] بخاری کتاب الزکوٰۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر یہ بھی ممکن الحصول نہ ہو تو آبادی کے اندر ہی کوئی خاموش گوشۂ عافیت ڈھونڈ نکالے، اور ہنگامہ ہائے دنیا سے بے نیاز ہو کر خدا کی عبادت و ریاضت میں اپنا وقت گزارے گویا ان کے نزدیک خدا کے حق کی ادائیگی کے لئے ناگزیر ہے کہ عبادت گزار نہ صرف حقوق العباد سے منہ موڑ لے بلکہ امکانی حد تک خود اپنے نفس و جسم کے حقوق کو بھی پامال کر ڈالے۔

راہبانہ تصورِ عبادت کی یوں تو بہت سی مثالیں انسان کی قدیم مذہبی تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں لیکن ہم یہاں بطور مثال صرف عیسائی راہبوں کے تصورِ عبادت ہی کو پیش کریں گے اور ضمناً مسلمانوں کے ایک طبقہ میں موجود راہبانہ تصورِ عبادت کے متعلق بھی عرض کریں گے۔

قطع علائق، تجرد اور تعذیب جسم، عیسائی رہبان کے تصورِ عبادت کے اجزائے ترکیبی تھے۔ وہ جنسی خواہش، اور ازدواجی تعلقات کو نہ صرف زہد و تعبد اور پاکیزہ روحانی زندگی کے منافی خیال کرتے تھے بلکہ سرے سے اسے ایک گندہ فعل تصور کرتے تھے۔ گوشت کھانا، کپڑے پہننا اور راتوں میں سونا اور آرام کرنا بھی خلاف تقویٰ تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں وہ روحانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لئے اپنے نفس و جسم کو طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کرنا بھی ضروری سمجھتے تھے تاکہ خواہشات نفس سے یک قلم گلو خلاصی مل جائے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم ان کو اس حد تک مغلوب کر دیا جائے کہ ان کا وجود بالکل غیر موثر بن کر رہ جائے۔ وہ قطع علائق کے باب میں بھی انتہا پسند واقع ہوئے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ روحانی ترقی، ضبط نفس اور قرب خداوندی کے حصول کے لئے بے حد ضروری ہے کہ خدا پرست نہ صرف اپنے ہم جنسوں سے تمام معاشرتی تعلقات منقطع کر لے بلکہ بیوی بچوں، ماں باپ، بھائی بہن اور دوسرے افراد خاندان اور اقارب سے بھی کسی طرح کا کوئی رشتہ و پیوند نہ رکھے۔ قرون وسطیٰ کی تاریخ قطع علائق، نفس کشی اور ایلام جسم کے دلدوز واقعات سے بھری پڑی ہے۔[۱]

جہاں تک اسلامی تاریخ کا تعلق ہے تقریباً اس کے ہر عہد میں مسلمانوں میں ایسے مذہبی لوگ موجود ملتے ہیں جو راہبانہ تصورِ عبادت سے ایک حد تک مانوس رہے ہیں۔ اگرچہ

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں تفہیم القرآن ج ۵، سورہ حدید حاشیہ نمبر ۵۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ عیسائی راہبوں کی طرح نہ تو تجرد کے قائل تھے اور نہ تربیت نفس کے لئے وہ نفس کشی اور تعذیب جسم ہی پر عمل پیرا تھے پھر بھی ان کا عام طرز زندگی راہبانہ تھا اور وہ عام طور پر انسانی معاشرہ سے الگ تھلگ زندگی گزارتے تھے، اور ازدواجی تعلقات بھی بس برائے نام ہی رکھتے تھے۔

آج بھی مسلمانوں میں ایک ایسا مذہبی طبقہ موجود ہے جس کے تصوّر عبادت میں راہبانہ تصور عبادت کے کچھ نہ کچھ اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد علانیہ ترک دنیا کی تعلیم تو نہیں دیتے لیکن ان کے نزدیک بھی روحانی ترقی اور آخرت میں فوز و مرام کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ خدا پرست آدمی اسباب دنیا کی نفی کرے، اور اپنے اوقات کا بیشتر حصّہ کسی گوشۂ مسجد یا خانۂ خلوت میں بیٹھ کر ذکر الٰہی، مراقبہ اور مجاہدہ میں گزارے، یہی معراج عبادت ہے۔ رہے انسان کی اجتماعی زندگی کے معاملات مثلاً سیاستؔ[1] و حکومت معیشت و معاشرت، تہذیب و تمدن اور علم و عدالت وغیرہ تو ان امور و مسائل سے ایک عبادت گزار مسلمان کو کوئی براہ راست تعلق نہیں رکھنا چاہیئے۔

اسلام راہبانہ تصورِ عبادت کا مخالف ہے

اسلام عبادت کے اس راہبانہ تصور کو قطعاً صحیح تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ اس کو صحیح تسلیم کر لینے کے معنی یہ ہیں کہ یہ کارخانۂ خلق و ایجاد ایک کارِ عبث ہے، اور اس میں انسانی

---

[1] سیاست کا نام آتے ہی عام طور پر مذہبی لوگوں کا ذہن اس گندی پارلیمانی سیاست کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو آج کل ہندوستان اور بہت سے مغربی ملکوں میں بطور ایک نظام حکومت کے رائج ہے۔ اسلام اس گندی، بے ضمیر اور مخرب اخلاق سیاست کا قائل نہیں ہے جس میں عوام کی حکومت کے نام پر عوام کا بدترین استحصال کیا جاتا ہے۔ اسلام میں سیاست نام ہے اس نظام حکومت کا جس میں کسی انسان یا انسانوں کی منتخب کردہ کسی مجلس (پارلیمنٹ) کے بجائے قادر مطلق خدا ہی اصل حاکم اور مقتدر اعلیٰ ہوتا ہے اور اسی کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق انسانوں کے انفرادی و اجتماعی معاملات انجام پاتے ہیں اور جو لوگ ان معاملات کو انجام دیتے ہیں وہ اس کے نائب یا قرآنی اصطلاح میں خلیفہ کہلاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجود نہ تو کوئی معنویت رکھتا ہے اور نہ اسے دوسری اشیاء کائنات کے بالمقابل کوئی نمایاں اور مرکزی مقام ہی حاصل ہے، اور یہ بات کسی طرح بھی مبنی برحقیقت نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کائنات مادی کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے (وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ۝ انبیاء: ۱۶) بلکہ اس کی تخلیق کے پیچھے ایک عظیم مقصد کارفرما ہے، اور وہ مقصد قرآن مجید کے الفاظ میں حق و باطل کی آویزش اور نتیجے کے طور پر حق کا غلبہ و سربلندی ہے (بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (انبیاء: ۱۸) اس کے علاوہ اس کارخانۂ خلق و ایجاد میں انسانی وجود ایک نمایاں اور مرکزی مقام رکھتا ہے۔ انسان کی عظمت و فضیلت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ خدا نے اس کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا (هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ... (فاطر- ۳۹) اور اس عالم آب و گل کی تمام چھوٹی بڑی اشیاء کو اس کے وجود کے قیام و نشوونما اور اس کی ان گنت مادی حاجات کی تکمیل کے لیے اس کے قبضہ و تصرف میں دے دیا ہے۔ (وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ (جاثیہ ۱۲)

اس مقام و مرتبے کے حامل انسان کا مقصد تخلیق یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ اس کائنات رنگ و بو سے اپنا ذہنی و عملی رشتہ منقطع کر کے کسی کنج عزلت میں جا بیٹھے اور وہاں ذکر و عبادت الٰہی میں اپنی زندگی کے قیمتی اوقات گزار دے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر کی سطروں میں بیان کیا، اس کائنات مادی میں انسان کی حیثیت خدا کے خلیفہ کی ہے اور خلافت فی الارض کے منصب جلیلہ پر وہ اس لیے مامور کیا گیا ہے کہ خدا کی بخشی ہوئی عقل و بصیرت کی روشنی میں اس کی ارضی سلطنت میں اس کے حکم و ہدایت کے مطابق جہانبانی کے فرائض انجام دے، خود بھی اس کا مطیع و فرمانبردار بنے اور دوسرے انسانوں کو بھی اس کا مطیع و فرماں بردار بنائے۔ اسی بات کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۔	میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے نہیں پیدا کیا کہ وہ میری اطاعت و بندگی کریں۔
(ذاریات: ۵۶)	

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں عبادت کے مفہوم کو سمجھنے میں بہت سے اہل علم نے غلطیاں کی ہیں۔ ہم اس مضمون کے شروع میں لفظ عبادت کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے عرض کر چکے ہیں کہ عبادت کا اصل مفہوم خدا کی کامل اطاعت و بندگی ہے یعنی زندگی کے ہر شعبے میں خدا کے احکام کی پیروی کرنا، اور یہی تخلیق انسان کی اصل غایت ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان اس دنیا میں اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ بغیر کسی خارجی یا داخلی جبر کے زندگی کے ہر معاملے میں خدا کی اطاعت و بندگی کرے۔ جبر کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ اس عالم رنگ و بو کی ہر چھوٹی بڑی چیز طوعاً و کرہاً خدائے بزرگ و برتر کی اطاعت کر رہی ہے (وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ آل عمران ۸۳) لیکن انسان کو بایں طور خدا کی بندگی و اطاعت کے لئے مجبور نہیں کیا گیا ہے۔ (لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ... بقرہ - ۲۵۶) اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ یونس ۹۹) بلکہ اسے پوری پوری آزادی دی گئی ہے کہ وہ اپنی عقل و فہم کو استعمال کرتے ہوئے چاہے تو خدا کی اطاعت کرے اور چاہے تو اس کی نافرمانی و ناشکری کرے (اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا دہر - ۳) لیکن اس کا مقصد تخلیق بہر صورت خدا کی اطاعت و بندگی کرنا ہے۔ اگر وہ اپنی مرضی سے خدا کی اطاعت کرتا ہے تو وہ فی الواقع منشائے خداوندی کی تکمیل کرتا ہے، اور اس کا یہ فعل خدا کی نظر میں پسندیدہ اور اجر کا مستحق قرار پائے گا، اور اگر اعراض و استکبار کرتا ہے تو فی الحقیقت وہ منشائے خداوندی کے خلاف عمل کرتا ہے اور اس کا یہ فعل خدا کی نظر میں ناپسندیدہ اور مستوجب سزا قرار پائے گا۔

قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ انسان کے مقصد تخلیق کو ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔

اَلَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ	جس نے موت اور زندگی کو خلق کیا تاکہ
لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ	تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں کون
عَمَلًا (ملک: ۲)	بہتر عمل کرنے والا ہے۔

ظاہر ہے کہ عمل احسن یعنی خدا کی اطاعت و فرماں برداری کا صحیح امتحان اسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان آزادانہ اس دنیا کے معاملات میں شریک ہو۔ اس سے قطع تعلق کر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی عمل احسن کی انجام دہی بے معنی ہے اور امتحان عمل کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام عبادت کا جو جامع تصور دیتا ہے اس میں دین اور دنیا کی کوئی تفریق نہیں ہے بلکہ معاملات دنیا میں حصہ لینا اس کے نزدیک عین عبادت ہے بشرطیکہ معاملات کی انجام دہی میں خدا کے کسی حکم و ہدایت کی بھی خلاف ورزی نہ کی جائے، قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ٥ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥ (جمعہ ۹، ۱۰)	اے ایمان والو، جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو، پھر جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔

اس دنیا سے ایک مومن کے تعلق کی جو نوعیت ہونی چاہئے اس کو یہ آیات اچھی طرح واضح کر دیتی ہیں۔ میں دو اہم باتیں بیان کی گئی ہیں، پہلی بات یہ کہ جب اللہ کی اطاعت و بندگی کے اظہار کا وقت مقررہ آ جائے تو ایک مومن کی شان بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ فی الفور کار و بار دنیا سے علیحدہ ہو کر اس کی یاد اور بندگی کے اظہار کے لئے مسجد کی طرف دوڑ پڑے اور دوسری بات یہ کہ مسجد میں اظہار اطاعت و بندگی کے بعد جب وہ دوبارہ کار و بار دنیا یا دوسرے لفظوں میں تلاش رزق میں لگ جائے تو وہاں بھی خدا کی یاد سے کسی حال میں بھی غافل نہ ہو یعنی کسب معاش میں کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو خدا کی مرضی اور اس کے حکم و ہدایت کے خلاف ہو۔ اگر اس نے ایسا کیا تو روزی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمانے کا اس کا عمل بھی عبادت بلکہ بہترین عبادت شمار ہوگا۔

اس کے علاوہ آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ آیات مذکورہ میں روزی کمانے کو فضل خدا کی تلاش سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ لطیف پیرایۂ بیان خود صراحت کر رہا ہے کہ روزی کمانا خدا کی نظر میں ایک نہایت ہی پسندیدہ فعل ہے، اور وہ اپنے بندوں سے اسی بات کا خواہاں ہے کہ وہ روزی کمانے کے لئے زمین میں تگ و دو کریں (فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ) اسے محض دنیا کا کام یا اس کی عبادت میں کوئی امر مانع سمجھ کر اس سے دست بردار نہ ہو جائیں، یہ کام عبادت میں خلل انداز نہیں، بلکہ اس کے حکم و ہدایت کے مطابق اس کے لئے عرق ریزی کرنا عین عبادت ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ کسب معاش کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ کے ذکر کے ساتھ آیا ہے، ارشاد ہے:

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ	کچھ دوسری لوگ اللہ کے فضل
يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ	(روزی) کی تلاش میں سفر کرتے ہیں
وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ	اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں قتال کرتے
اللّٰهِ (مزمل: ۲۰)	ہیں۔

اس آیت کی بہترین تفسیر حضرت عمر فاروق کا یہ قول ہے:

"خدا کی راہ میں لڑتے ہوئے جان دینے کی خواہش کے بعد جس دوسری چیز کی میں تمنا رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ حصول رزق اور کشادگی کی تلاش میں میری موت واقع ہو۔"[1]

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی اطاعت و بندگی کا اصل امتحان کسی گوشۂ مسجد یا خانۂ خلوت میں نہیں، بلکہ کاروبارِ دنیا میں ہوتا ہے جہاں ہر قدم پر شیطانی وساوس اور نفس کی فتنہ انگیزیوں سے واسطہ پڑتا ہے، مشہور تابعی امام ابراہیم نخعی سے کسی نے پوچھا کہ آپ ایک عبادت گزار صوفی اور امانت دار تاجر میں کس کو ترجیح دیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ امانت دار تاجر میرے نزدیک افضل

---

[1] سنن سعید بن منصور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اس لئے کہ شیطان اسے بہر صورت ورغلاتا ہے، کبھی ناپ تول اور کبھی لین دین میں اسے الجھانے اور غلط راہ پر لے جانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اسے پیہم شکست دیتا رہتا ہے اگر "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" کا مفہوم آنحضورؐ اور آپ کے اصحابؓ نے وہی سمجھا تھا جسے ہمارے رہبان صفت صوفیۂ کرام اور احبار صفت علماء عظام اور "امانی" میں گرفتار مذہبی جہلا سمجھتے ہیں تو پھر بدر و احد اور حنین و خیبر میں معرکہ آرائی اور دورِ خلافت میں قیصر و کسریٰ کی جابردست سلطنتوں سے محاربہ و مقاتلہ کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ رسولؐ اور اصحابِ رسولؐ کو باطمینانِ خاطر اپنے گھروں اور مسجدوں میں ذکر و عبادت الٰہی میں منہمک رہنا چاہئے تھا۔ یقین کیجئے کہ اس صورت میں عرب کے کفار و مشرکین اہل ایمان کے خلاف ہرگز صف آرائی نہ کرتے، اور نہ ہی آغازِ اسلام میں ان کو اپنے وحشیانہ ظلم و ستم کا تختۂ مشق بناتے کیونکہ وہ پہلے ہی سے دوسرے ادیان کے احبار و رہبان کی صورتوں میں اس قسم کے عبادت گزاروں سے واقف تھے۔

فی الواقع آنحضورؐ اور آپ کے اصحابِ عظام عبادت کے اس راہبانہ مفہوم سے قطعی ناواقف تھے۔ انھوں نے خدا کی عبادت کے لئے خواب گاہوں سے اپنے پہلو بھی جدا کئے

تَتَجَافٰی جُنُوبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا .... (سجدہ - ۱۶)

اور حکم خدا جَاھِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ... (توبہ - ۴۱)

"اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو" کے مطابق اس کی راہ میں کشاں کشاں اپنی جان و مال سے جہاد بھی کیا۔ فی الواقع وہ ہر دور کے بڑے بڑے عابدوں اور زاہدوں سے بڑھ کر عابد و زاہد اور ہر عہد کے بڑے بڑے جاں فروشوں سے بڑھ کر جاں نثار اور سرباز تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ اللہ کو ایسے ہی جواں مرد محبوب ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ	اللہ ایسے لوگوں کو محبوب رکھتا ہے
یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا	جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر جنگ
کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔	کرتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی
(صف : ۴)	دیوار ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت یہ ہے کہ اسلام راہبانہ تصورِ عبادت کا صرف مخالف ہی نہیں بلکہ اس کے وجود کا بھی منکر ہے: **لا رہبانیۃ فی الاسلام** (مسند احمد) "اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں"۔ اگر کسی کو لفظ رہبانیت ہی سے کوئی انس و شیفتگی ہو تو وہ جان لے کہ اسلام کی اصطلاح میں اس کا مفہوم ترکِ دنیا نہیں بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ہے آنحضورؐ کا ارشاد ہے:

رہبانیۃ ھذہ الامۃ الجہاد فی سبیل اللہ ۱؎ — اس امت کی رہبانیت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

اسلام زندگی کے صرف اجتماعی معاملات ہی میں راہبانہ تصورِ عبادت کا مخالف نہیں ہے بلکہ وہ انفرادی معاملات میں بھی اس کے ادنیٰ اثر و نفوذ کو گوارہ نہیں کرتا۔ دورِ رسالت میں جب بعض صحابہؓ نے اپنے میلانِ طبعی اور جوشِ عبادت کی وجہ سے رضائے الٰہی کی طلب میں تجرد، قطعِ علائق اور ریاضاتِ شاقہ کی راہ میں گام زن ہونا چاہا تو آنحضورؐ نے اس راہبانہ تصورِ عبادت کی سختی کے ساتھ نفی فرمائی۔ ایک صحابی قدامہ بن مظعونؓ نے آنحضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ میں نے عمر بھر مجرد رہنے اور گوشت نہ کھانے کا ارادہ کر لیا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "میں تو یہ دونوں باتیں کرتا ہوں"۔ یہ سن کر وہ اپنے خیال سے تائب ہو گئے۔ ۲؎

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے ایک بار عہد کر لیا تھا کہ وہ ہمیشہ دن میں روزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت کریں گے۔ جب آنحضورؐ کو اس بات کا علم ہوا تو آپؐ نے ان کو بلا کر فرمایا "عبداللہ! تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، تمہارے لئے مہینے میں تین دن روزے رکھ لینا کافی ہے"۔ ۳؎

• حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک عابد و زاہد صحابی تھے اور نہایت ہی متقشفانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آنحضورؐ کو ان کے متعلق یہ خبر پہنچی کہ وہ شب و روز ذکر و عبادت میں مشغول رہتے ہیں، اور اپنی بیوی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، دن کو روزے رکھتے ہیں اور شب میں بہت کم سوتے ہیں۔ آپؐ نے ان کو بلا کر پوچھا "عثمان! کیا تم میرے طریقہ سے ہٹ گئے ہو؟

۱؎ مسند احمد ۲؎ صحیح بخاری، کتاب الصوم۔ ۳؎ صحیح بخاری، کتاب الصوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے عرض کیا "خدا کی قسم میں ہرگز آپ کے طریقہ سے منحرف نہیں ہوا ہوں، میں تو آپ ہی کے طریقہ پر چلنا چاہتا ہوں" آپ نے فرمایا "عثمان، خدا سے ڈرو کہ تمہارے اہل وعیال کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، اس لئے تم روزے بھی رکھو، افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی"[1]

بخاری ومسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ ایک بار صحابہ کی ایک جماعت ازواج مطہرات کی خدمت میں پہنچی اور آنحضورؐ کی عبادت کا حال معلوم کیا۔ جب ان کو آپ کی عبادت کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے کہا کہ ہم کو آنحضورؐ سے کیا نسبت، آپ تو معصوم ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ میں ساری رات نماز پڑھوں گا دوسرے نے کہا میں عمر بھر روزے رکھوں گا اور کبھی ناغہ نہ کروں گا، تیسرے صاحب نے کہا میں کبھی شادی نہ کروں گا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ گفتگو سن رہے تھے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

اما واللہ انی لاخشاکم	خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا
للہ واتقاکم لہ لکنی	ہوں اور اس سے تقویٰ کرتا ہوں تاہم میں
اصوم وافطر واصلی وارقد وا	روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں
تزوج النساء فمن رغب	راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں
عن سنتی فلیس منی	اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو
	میرے طریقہ سے ہٹ گیا وہ میری
	جماعت میں نہیں۔

رہبانیت کے خلاف آنحضورؐ کی ان موثر تعلیمات کے نتیجے میں اسلام کے ابتدائی دور میں شجر رہبانیت کو کچھ زیادہ برگ وبار لانے کا موقع نہیں مل سکا۔ دور نبوی میں جب بھی کسی صحابی کے اندر اس قسم کا میلان پیدا ہوا تو خود صحابہ نے ان کو سختی کے ساتھ ٹوکا۔ حضرت ابوذر غفاری ایک مشہور عابد شب زندہ دار صحابی گزرے ہیں۔ ایک بار حضرت سلمان فارسیؓ ان سے ملنے کے لئے ان کے گھر گئے، ان کی زوجہ نہایت بوسیدہ اور میلے کپڑے پہنے ہوئے تھیں حضرت سلمانؓ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو وہ بولیں "تمہارے بھائی کو دنیا

---

[1] ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی خواہش نہیں ہے" جب وہ حضرت سلمان کے لئے کھانا لائیں تو انھوں نے حضرت ابوذرؓ کو شریک طعام ہونے کے لئے کہا۔ انھوں نے کہا میں تو روزے سے ہوں۔ حضرت سلمانؓ نے کہا، میں تو تمہارے بغیر نہیں کھاؤں گا، آخر انھوں نے افطار کیا۔ رات ہوئی تو ابوذرؓ نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے، حضرت سلمانؓ نے کہا ابھی سو رہو، وہ مان گئے رات کے پچھلے پہر حضرت سلمانؓ نے ان کو بیدار کیا اور کہا اب نماز پڑھو، دونوں نے مل کر نماز ادا کی۔ اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے کہا "ابوذر، تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تو جس جس کا تم پر حق ہے اس کو ادا کرو" دوسرے دن حضرت ابوذر غفاری نے آنحضورؐ سے حضرت سلمانؓ کی باتیں دہرائیں تو آپ نے فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا"۔[1]

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں عبادت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آدمی اس کثرت سے ذکر و عبادت میں مشغول ہو جائے کہ دوسروں کے حقوق کو نظر انداز کر دے۔ دراصل اسلام میں بندوں اور خود اپنے نفس و جسم کے حقوق کو پس پشت ڈال دینے کا نام عبادت نہیں ہے بلکہ خدا کے حق کے ساتھ انہی حقوق کو جن سے بڑی حد تک انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی عبارت ہے، صحیح طور سے ادا کرنے کا نام عبادت ہے اور یہی خدا کی سچی اطاعت و فرماں برداری ہے۔

یہ ہے اسلام کا وہ وسیع تصور عبادت جسے ہم نے تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ تصور عبادت نہ صرف روح کی صفائی اور تزکیۂ اعمال کے لئے ناگزیر ہے بلکہ امت مسلمہ کی اجتماعی زندگی کی اصلاح و تہذیب بھی اسی پر منحصر ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب

اپنے معاونین سے

ادارہ کا اکاونٹ IDARA-E-TAHQEEQ-O-TASNEEF-E-ISLAMI, ALIGARH کے نام سے ہے۔ براہ کرم اپنا چیک یا ڈرافٹ اسی نام سے بھیجیں۔ اس میں کسی لفظ کی کمی بیشی سے زحمت ہوتی ہے۔ امید ہے آپ کا تعاون ہمیں مستقل حاصل رہے گا۔

(منیجر)

© rasailojaraid.com